OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 4 (October-December 2021)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں گداگری کے انسداد کا تحقیقی جائزہ

A Research-Based Analysis of Beggary Prevention in the Light of Islamic Teachings

Jamila
Lecturer, Department of Islamic Studies, Government Girls Degree College, Chamla, Buner

Adnan
Lecturer, Khyber Law College, University of Peshawar

Abstract

This study explores the phenomenon of beggary through the lens of Islamic teachings while highlighting practical and constructive approaches for its prevention. Beggary has become an increasingly visible social problem that not only disturbs public spaces but also erodes human dignity and weakens the moral and economic foundations of society. Islamic teachings place strong emphasis on self-reliance, lawful earning, and maintaining personal honor. The Qur'an and Sunnah discourage unnecessary or habitual begging, urging individuals instead to work, contribute to their communities, and uphold social harmony.

The research examines the Islamic mechanisms that offer long-term solutions to poverty, such as zakat, sadaqah, waqf, and various forms of social support systems that help eliminate the root causes of beggary. These charitable institutions promote economic stability and ensure equitable distribution of resources within society. Moreover, the study stresses the importance of governmental policies, public awareness, and

CC BY

structured rehabilitation programs aimed at equipping beggars with the skills and opportunities necessary for a dignified livelihood.

By combining classical Islamic principles with contemporary social strategies, this research presents a holistic framework for reducing beggary and fostering a more responsible, compassionate, and self-sufficient society.

Keywords: Islamic Teachings, Beggary Prevention, Social Welfare, Zakat and Charity, Rehabilitation Programs

بحثِ اوّل: گداگری کا تعارف

گداگری کو گداگری اور انعطاف بھی کہتے ہیں۔ ذیل میں اس کے لغوی معانی و مفاہیم بیان کیے جاتے ہیں:

لغوی تعریف

''گداگری "فارسی زبان کے مصدر "گدائی کردن" سے اسم مؤنث کا صیغہ ہے اس کا اسم مذکر "گدا" عموماً استعمال ہوتا ہے۔ "گدا۔ ص (گ)نادار و بینوا و کسی که وجه معاش خود را بسر ایگان از دیگر ان طلب کند''[1]

مفہوم اس کا یہ ہے کہ "بھیک مانگنے والا کمزور و عاجز (معذور) جو کسی وجہ سے ذریعہ معاش سے محروم ہو اور جو دوسروں سے سامان زیست طلب کرے۔ علامہ ابن منظور افریقیؒ لکھتے ہیں:

''فقر: الفَقْر والفُقْر: ضِدُّ الغِنى، مِثْلُ الضَّعْفِ والضُّعْف. ابْنُ سِيدَهْ: وقَدْرُ ذَلِكَ أَن يَكُونَ لَهُ مَا يَكْفي عيالَه، وَرَجُلٌ فَقِيرٌ مِنَ الْمَالِ، وَقَدْ فَقُرَ، فَهُوَ فَقير، وَالْجَمْعُ فُقَراءُ، والأُنثى فَقِيرةٌ''[2]

"فقر سے مراد فقر اور فقر دونوں ہیں، جو غنی کی ضد ہے، ضعف اور ضعف کی طرح ہے۔ ابن سیدہ کے قول کے مطابق اس کے پاس اس قدر (مال) ہو جس سے خیال کی کفالت نہ ہو سکے اس کی جمع فقراء ہے اور مؤنث فقیرہ (فقیرنی) ہے"۔

فقیر اور مسکین کی تعریف امام شافعیؒ نے یوں کی ہے:

''الفَقِيرُ الَّذِي لَا شَيْءَ لَهُ، وَالْمِسْكِينُ الَّذِي لَهُ بَعْضُ مَا يَكْفِيه؛ وإِليه ذَهَبَ الشَّافِعِيّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَقِيلَ فِيهِمَا بِالْعَكْسِ، وإِليه ذَهَبَ أَبو حَنِيفَةَ، رَحِمَهُ اللَّهُ''[3]

"امام شافعیؒ کے قول کے مطابق فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس اپنے عیال کی کفالت کے لیے تھوڑا بہت مال ہو، جب کے امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق اس کے برعکس ہے"

دیگر زبانوں میں گداگر کو مختلف نام دیئے گئے ہیں جیسا کہ

"گداگر" کو بلوچی میں "پنڈوک" بنگلہ میں "پھوکیر" پشتو میں "خیر مار" پنجابی میں "گدا" (منگتا) سندھی میں "گدا" کشمیری میں "فقیر" کہا جاتا ہے"۔[4]

بیشتر لغت میں لفظ "گدا" کے معنی "فقیر"، بھکاری اور منگتا" کے مرقوم ہیں سب سے زیادہ لفظ "فقیر" گدا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح لفظ "گدا"، "فقیر" اور "بھکاری" کے معنوں میں بھی مرقوم ہوا ہے۔ عربی زبان میں بھی اسے فقیر

یا سائل کہا گیا ہے لیکن زیادہ موزوں لفظ " فقیر " ہی ہے۔ اسی طرح سرائیکی زبان میں بھی گداگر کو " فقیر " ہی کہتے ہیں۔ انگریزی زبان میں لفظ " گداگر " کو "Beggar" کہا گیا ہے۔ ہندی میں اس کو " فقیر " بھی کہا گیا ہے۔

"Beggary", means" Extreme Poverty".[5]

"A State of extreme indigence are a state of mean life".[6]

Dr. Mukerjee says:

"Beggary is a symptom of social disorganization".[7]

The Oxford English Dictionary defines beggar as:

"Begging is an unacceptable practice in every society in the world. It is a source of livelihood for beggars and a source of social stigma. It is also the root of almost all other social evils. It causes physical degeneration, mental swelling, preventable diseases and starvation and destroys lives through crime, mental disorders, family disorder and social irregularities".[8]

اصطلاحی تعریف

گداگر کو اصطلاحاً فقیر، منگتا، سائل، منگت کے معانی میں لیا جاتا ہے۔ کول: (پشتو اصطلاح) غلہ جمع کرنا، بھیک مانگنا۔[9]

گداگر اسم مذکر ہے اس سے مراد وہ درویش جو اپنے بال بچوں کے واسطے کم سے کم ایک روز اور زیادہ سے زیادہ دو چار روز کی خوراک رکھتا ہو، بخلاف مسکین کے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، از حد محتاج و ناچار ہو۔ گدا، بھکاری، بھک، منگا، منگتا، کنگلا۔[10] " بھیک مانگنے " کو گداگری کہا جاتا ہے۔ اسلام میں اس کی سخت ممانعت کی ہے۔[11] " فقیر " ضرورت مند یا حاجت مند انسان، خواہ وہ دنیوی حیثیت سے محتاج وہ یا وہ روحانی نقطہ نظر سے، فقیر اور مسکین میں فرق یہ ہے کہ آخر الذکر (مسکین) تباہ حال ہوتا ہے اور فقیر، محتاج، مانگنے والے کو سائل کہتے ہیں۔

خدا تعالی نے اپنے آپ کو غنی اور اس کے مقابلے میں انسان کو فقیر یا حاجت مند کہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کے مقابلے میں انسان یقیناً حاجت مند ہے خواہ وہ کوئی چیز مانگے یا نہ مانگے۔ جو لوگ خدا پر بھروسہ کرتے اور دوسروں سے کچھ طلب نہیں کرتے ان کو متوکل کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام میں فقیر ہونا یا فقر اور فقیر کوئی بڑی بات نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

«الْفَقْرُ فَخْرِي وَبِهِ أَفْتَخِرُ»[12]

"فقر میرا فخر ہے"

لیکن جب سے بھیک مانگنے والوں نے یہ نام اختیار کیا ہے اس وقت سے اس کا مفہوم بدل گیا ہے اور اب معاشرے میں فقیر کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، متوکل طبقہ کے واسطے اب درویش کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔[13]

گداگر وہ شخص ہے جو حاجت مند ہو اس کی ضد ہے غنی، یعنی فارغ البال، اس کے ساتھ عموماً مسکین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنی وہ شخص جو بے حد خستہ حال ہو ان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ

تھوڑا بہت ہو اور مسکین وہ ہے جو بالکل نادار ہو لیکن امام شافعیؒ نے اس کے بر عکس لکھا ہے اور ابن العربی نے ان دونوں لفظوں کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ ایک اور لفظ سائل ہے جس کے معنی ہے بھکاری یا سوالی، چنانچہ قرآن مجید میں آیا کہ انسان اللہ کا حاجت مند (فقراء) اور اللہ غنی ہے۔[14] چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾[15]

"لو گو تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ وہی ہے جو سب سے مستغنی اور سب خوبیوں کا مالک ہے"۔

فقر ایک نہایت ہی وسیع اور بلیغ اصلاح ہے اس کا تعلق خارج سے بھی ہے اور باطن سے بھی۔ فقر ایک اخلاقی رویہ ہے۔ اور متاع دنیوی کے تعلق میں ایک انداز نظر بھی جو دنیاداری، خود غرضی، زر پرستی، اور استحصال سے بچاتا ہے۔ حدیث مذکورہ بالا میں جس فقر کو آنحضرت ﷺ نے فخر فرمایا ہے اس سے مراد یہی شعوری بے نیازی ہے جو متاع دنیوی پر دسترس ہونے کے باوجود انسان کو دل کی تونگری عطاء کرتی ہے۔ مال وجاہ کی ہوس اور اس کی خاطر ظلم، تعدی، غضب حقوق استحصال اور اس سے وابستہ جھوٹ اور طمع سازی یہ سب رذائل فقر سے دور ہوتے ہیں۔[16]

صوفیانہ شخصی رویے کے علاوہ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی کتابوں میں اسے ایک "اجتماعی رویہ "(فضیلت) بھی قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے:

«كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا»[17]

"فقر کفر کے قریب کر دیتا ہے"۔

اس میں محض بے زری اور افلاس مراد ہے۔ یہ خارجی حالت ہے لیکن جب مذکورہ بالا باطنی کیفیت کسی کے دل میں (بوجہ ریاضت قلبی و ذکر و فکر) پیدا ہو جاتی ہے تو قلب مطمئن ہو جاتا ہے اور مال و ملکیت کے بارے میں بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے۔[18]

انسائیکلوپیڈیا آف ورڈ پرابلمز میں لکھا ہے:

"Begging (Nature), Individuals may gain all or part of their living by begging whether from door to door on in public place. In some cases attempts to increase such income may be made by deforming or mutilating the body. This may be done deliberately by the beggar or may be done by an adult, possibly the parent, depandant on the begging of children".[19]

"لوگ اپنا، کچھ یا مکمل انحصار گھر گھر جا کر یا عوامی جگہ پر بھیک مانگ کر کرتے ہیں۔ کچھ صورت حال میں لوگ اپنی کمائی کو بڑھانے کے لیے خود کو مکمل یا جزوی طور پر بگاڑتے ہیں۔ یہ خاص طور پر بھیک مانگنے والا یا بالغ انسان کرتا ہے اور ممکن ہے کہ ایسے والدین یا کوئی جن پر بھیک مانگنے والے انحصار کرتے ہیں، وہ کریں"۔

نیویارک سے شائع ہونے The Crime Problem کے مصنف لکھتے ہیں:

"(Incidence) Begging occures frequently, particularly in developing countries, where unemployment and shortage of food are problems.(Claim) Beggar are evidence that either, socity has

failed, beggars confront individuals with this failure.Morever"begging"is too much telated to vagrancy and crime as Reckless, says that:Vagrancy and begging are criminal practices;and Vagrancy and begging as associated with each other are violational behaviours (such as alcoholism,drugaddition, prostitution, desertion, petty crims against property and so forth".
20

"عام طور پر بھیج مانگا ترقی پذیر ممالک میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ جہاں بے روزگاری اور خوراک کی کمی جیسے مسائل پائے جاتے ہیں۔ بھیک مانگنے والے کسی بھی معاشرے کی ناکامی کا ثبوت ہیں اور بھیک مانگنے والے انفرادی طور پر اس کا سامنا کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ بھیک مانگنا خانہ بدوشی اور لاپرواہی جیسے عناصر سے جرائم تک کا سفر کرتی ہے۔ خانہ بدوشی اور بھیک مانگنا عام طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ اور اس کے ساتھ جرائم اور عادات جیسے کہ شراب نوشی، نشہ کی لت، جسم فروشی اور مزید چھوٹے چھوٹے جرائم کو بھی جنم دیتی ہے"۔

یوں تو بھیک مانگنے کا عمل اتنا ہی قدیم ہے جتنی انسانی زندگانی۔ گداگری کا آغاز کب ہوا؟ کس نے کیا؟، کس زمانہ میں کیا؟ غرض یہ کہ بیسیوں سوال ذہن میں آسکتے ہیں اور سبھی کے جواب دینا بے حد مشکل ہے لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب سے آبادی میں اضافہ کی رفتار بڑھی ہے، خوراک، رہائش و دیگر مسائل زندگانی میں بھی اضافہ ہوا ہے جس سے بہت سے سماجی اور معاشرتی مسائل نے جنم لیا ہے، بہت سی برائیوں کی داغ بیل پڑ گئی ہے جن میں گداگری بھی شامل ہے۔

بحثِ دوم: قرآن وسُنت کی روشنی میں گداگری کی ممانعت کا تحقیقی مطالعہ

جس طرح ضروریات زندگانی کے لیے مال و اشیاء لازمی ہیں اسی طرح ان کے حصول کے پسندیدہ اور احسن ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ تحصیل مال و اشیاء کے کچھ ذرائع جائز اور مقبول ہیں اور کچھ ناپسندیدہ اور مردود جیسے چوری، ڈاکہ، فریب، جعل سازی اور گداگری ان کو معاشرہ فعل مذموم اور شرمناک گردانتا ہے اور ان سے پورا عالم انسانیت متاثر ہوتا ہے اس کا کامل، صحیح اور معقول معیار صرف وحی الہٰی اور فرمان مصطفوی ہو سکتا ہے۔ شریعت اسلامی نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جو قانون اور معیار مقرر کیا ہے وہ صراحتاً وحی الہٰی اور ارشادات نبوی صلی العلیم سے مستفاد ہے۔ رزق حلال کے حصول اور حرام سے گریز کے لیے قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات اور احکام موجود ہیں۔ کسب حلال اور اکل حلال پر جتنا زور اسلام نے دیا ہے شاید ہی کسی مذہب نے اس کی جانب اتنی توجہ مبذول کی ہو اسی طرح رزق حرام کے ضمن میں بے شمار وعیدیں بھی آئی ہیں تاکہ خشیت الہٰی اور پیروی مصطفی کریم صلی الہ یکم میں نمو ہو۔

مذموم اور ناجائز طریق پر (مثلاً گداگری) مال کے حصول کو شریعت نے ممنوع و باطل قرار دیا ہے۔ معاشرتی حقوق اور فلاح عامہ کی غرض سے بھی کسب مال کے مردود اور غلط ذرائع کی تحصیل ممنوع ہیں۔ اسلام میں مقبول و مردود اور حلال و حرام کے واضح اور بین معیار ہیں۔ جن کی روشنی میں معاشرے میں بسر اوقات کا شیڈول مرتب و مروج ہے اس ترتیب اور مروجہ اصولوں کی پاسداری سے معاشرے میں فلاح، سلامتی اور بہتری پر گامزن ہو کر دنیاوی آسودگی اور اخروی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔ گداگری وہ فعل قبیح ہے جسے خالق کائنات ارحم الراحمین اور اس کے محبوب رحمۃ اللعالمین ﷺ نے سخت نا

پسند فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے اس ضمن میں کلام الٰہی کی آیات اور مفسرین کرام کی تشریحات وتفاسیر بھی بیان کی جاتی ہیں۔

گداگری کی مذمت مختلف تفاسیر کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إلْحَافًا﴾[21]

"وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔

امام طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

"يقال:" قد ألحف السائل في مسألته"، إذا ألحّ"فهو يُلحف فيها إلحافًا" فإن قال قائل: أفكان هؤلاء القوم يسألون الناس غيرَ إلحاف؟قيل: غير جائز أن يكون كانوا يسألون الناس شيئًا على وجه الصدقة إلحافًا أو غير إلحاف،وذلك أن الله عز وجل وصفهم بأنهم كانوا أهل تعفف، وأنهم إنما كانوا يُعرفون بسيماهم. فلو كانت المسألة من شأنهم، لم تكن صفتُهم التعفف، ولم يكن بالنبي صلى الله عليه وسلم إلى علم معرفتهم بالأدلة والعلامة حاجة، وكانت المسألة الظاهرة تُنبئ عن حالهم وأمرهم"[22]

"کہا جاتا ہے (قد ألحف السائل في مسألته) یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ سائل سوال کرنے میں گڑ گڑائے۔ اس سے مضارع (يلحف) اور مصدر (إلحاف) آتا ہے۔ اگر کہنے والا یہ کہے کہ یہ لوگ بغیر الحاف کے سوال کرتے تھے تو کہا جائے گا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کوئی بھی چیز گڑ گڑا کر یا بغیر گر گڑا کر مانگتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اس کا وصف (تعفف) بیان کیا ہے اور یہ کہ وہ اپنی پیشانیوں (نشانیوں) سے پہچانے جاتے ہیں اگر وہ سوال کرتے ہوتے تو ان کا وصف (تعفف) نہ بیان کیا جاتا اور نہ ہی انہیں دلیل اور علامت سے پہچانا جاتا بلکہ ان کا حال بالکل واضح ہوتا"۔

امام طبری نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں (اِلحاف) یعنی گڑ گڑا کر اور لپٹ لپٹ کر مانگنے کی نفی بیان فرمائی ہے کہ ان سائلین کی یہ صفت تھی کہ لوگوں سے گریہ زاری کر کے اور لیٹ چمٹ کر سوال نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس فی زمانہ فقیر اور سائل اس طرح گڑ گڑا کر اور پیچھے پڑ کر سوال کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! ان سے پیچھا چھڑانا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ علامہ طبری نے ان کے (تعفف) یعنی سوال نہ کرنے کی صفت کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ ایسا سوال کرتے ہی نہیں جو موجودہ صورت حال کے بالکل برعکس ہے۔ اس آیت کی تفسیر "صاحب روح البیان یوں بیان فرماتے ہیں:

"لا يَسْئَلُونَ النَّاسَ إِلْحافاً مفعول له ففيه نفى السؤال والالحاف جميعا اى لا يسألون الناس أصلا فيكون إلحافا والالحاف الإلزام والإلحاح وهو ان يلازم السائل المسئول حتى يعطيه ويجوز السؤال عند الحاجة والإثم مرفوع"[23]

"وہ لوگوں سے عاجزی دکھا کر سوال نہیں کرتے (الحافا) مفعول لہ ہے اس میں سوال اور عاجزی کے اظہار دونوں کی نفی کی گئی ہے۔ الحاف بمعنی الزام والحاج، وہ سائل جو مسئول کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ وہ اس سے سوال پورا نہ کرائے۔ (مسئلہ) بوقت ضرورت سوال کرنا جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے"۔

اس ضمن میں آگے چل کر احادیث مبارکہ بیان فرماتے ہیں:

«لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ الحَطَبِ عَلَى ظَهْرِهِ، فَيَبِيعَهَا، فَيَكُفَّ اللَّهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ»[24]

"تم میں سے کوئی شخص لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اس کو فروخت کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص سے سوال کرے وہ اس کو عطا کرے یا منع کر دے"۔

ایک اور روایت میں ہے:

«أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْحَيِيَّ الْحَلِيمَ الْمُتَعَفِّفَ، وَيَبْغَضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ السَّائِلَ الْمُلْحِفَ»[25]

"بے شک اللہ تعالیٰ زندہ، حوصلہ والے، سوال سے بچنے والے کو محبوب رکھتا ہے جب کہ فحش گو اور گڑ گڑا کر مانگنے والے کو ناپسند کرتا ہے"۔

صاحب روح المعانی اس آیت کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

''أي إلحاحا وهو أن يلازم المسئول حتى يعطيه من قولهم لحفني من فضل لحافه أي أعطاني من فضل ما عنده، وقيل: سمي الإلحاح بذلك لأنه يغطي القلب كما يغطي اللحاف من تحته. ونصبه على المصدر فإنه كنوع من السؤال أو على الحال أي ملحفين، والمعنى أنهم لا يسألون أصلا- وهو المروي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه، وإليه ذهب الفراء، والزجاج، وأكثر أرباب المعاني- وعليه يكون النفي متوجها لأمرين على حد''[26]

"یعنی (الحاحا) سے مراد یہ ہے کہ سائل مسئول کو چمٹ جائے یہاں تک کہ وہ اسے دے دے۔ یہ ان کے قول سے مشتق ہے" لحفني من فضل لحافه "یعنی اس نے اپنے پاس سے جو کچھ زائد تھا دے دیا (اپنی توفیق اور ہمت سے بڑھ کر عطا کیا) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے (الحاح) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دل کو ڈھانپ لیتا ہے جیسے لحاف انسان کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کو مصدر منسوب اس لیا کہا گیا ہے کہ یہ سوال کی ایک نوع ہے (یعنی مفعول مطلق ہے) یا یہ حال ہے یعنی وہ گڑ گڑاتے ہوئے لپٹ چمٹ کر) سوال نہیں کرتے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگوں سے بالکل سوال نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے فراء اور زجاج کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل لغت بھی یہی کہتے ہیں اور سی اصول کے تحت نفی دونوں حالتوں پر محیط ہو گی"۔

علامہ آلوسی نے مذکورہ آیت کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں دیگر مفسرین کرام کی طرح سائل کے لپٹ چمٹ کر مانگنے کو انتہائی معیوب اور ناپسند قرار دیا ہے اور اس ضمن میں مفسر قرآن، صاحب علم صحابی رسول حضرت ابن عباسؓ کی تائید و حمایت کے ساتھ ساتھ فراء اور زجاج کی توثیق کا بھی ذکر کیا ہے کہ جمہور مفسرین کرام سائل کے گڑ گڑا کر اور چمٹ لیٹ کر مانگنے کو قطعاً جائز نہیں خیال کرتے بلکہ اس کی مذمت ہی بیان کرتے ہیں جس سے مذکورہ قول کی تائید و توثیق ہوتی ہے کہ گداگری یقیناً ایک لعنت ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں مذکورہ آیت کے ضمن میں یوں تفسیر بیان کی گئی ہے:

''لا يَسْئَلُونَ النَّاسَ إِلْحافاً أَيْ لَا يُلِحُّونَ فِي الْمَسْأَلَةِ وَيُكَلِّفُونَ النَّاسَ مَا لَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ، فَإِنَّ سأل وله ما يغنيه عن المسألة، فَقَدْ أَلْحَفَ فِي الْمَسْأَلَةِ''[27]

"وہ سوال کرنے میں گڑ گڑاتے نہیں اور وہ لوگوں پر بوجھ نہیں ڈالتے جس کی ان کو ضرورت نہیں۔ پس یقیناً جو اس نے مانگا اسے اتنا ہی مانگنا چاہیے جو اسے سوال سے مستغنی کر دے تو تحقیق اس نے سوال کرنے انتہا کر دی"۔

اسی حوالے سے ایک روایت منقول ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِالَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الْمُتَعَفِّفُ»، اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا}[28]

"وہ شخص مسکین نہیں جو ایک کھجور یا دو کھجور یا ایک لقمہ یا دو لقمے لے کر جاتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال سے رک جائے۔ اگر چاہو تو یہ آیت مبارکہ پڑھ لو کہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔

حضرت حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر نے بھی قریب قریب وہی موقف بیان کیا ہے جو صاحب روح البیان اور صاحب تفسیر روح المعانی نے بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرنے میں گڑگڑاتے نہیں اور وہ لوگوں پر بوجھ نہیں ڈالتے یعنی وہ اس طریقے (عاجزانہ طریقے) سے سوال کرتے ہیں کہ اب سے زیادہ اظہار عجز ممکن نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے صحیح مسلم نے حدیث مبارکہ بیان کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ مسکین ایک دو کھجوریں یا ایک دو لقمے حاصل کرنے کے لیے در بدر نہیں پھرتا اور نہ ہی چمٹ کر سوال کرتا ہے جب کہ آج کل کے فقراء، گداگر اور مساکین بعینہ یہی طریق اپنائے ہوئے ہیں۔ گداگری وہ فعل قبیح ہے جسے خالق کائنات ارحم الراحمین اور اس کے محبوب کریم ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں چند مشہور اردو تفاسیر کی تشریح بیان کی جارہی ہے:

مفتی احمد یار نعیمی مذکورہ آیت کی تفسیریوں بیان کرتے ہیں:

"یہ جملہ (تعقف) کا بیان ہے الحاف لحف" سے بنا ہے بمعنی ڈھانک لینا اس لیے رضائی کو لحاف کہتے ہیں کہ وہ اوڑھنے والے کے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اصطلاح میں گڑگڑا کر مانگنے یا سوال کرنے میں اصرار کرنے کو "الحاف" کہتے ہیں کہ اس سے سامنے والے کا دل غیرت سے گویا ڈھک جاتا ہے۔ یہاں تو (الحاف) بمعنی اسم فاعل کے (لایسئلون) کی ضمیر کا حال ہے۔ یعنی وہ لوگوں سے اصرار سے نہیں مانگتے خیال رہے کہ یہ قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں کیونکہ وہ (اصحاب صفہ) بالکل نہ مانگتے تھے جیسا کہ (تعفف) میں بیان میں ہوا ہے۔ یعنی وہ کسی سے مانگتے ہی نہیں کہ انہیں گڑگڑانا پڑے کیوں کہ سوال کا انجام زاری ہے بعض نے فرمایا کہ یہ نفی کا مفعول مطلق ہے کہ وہ (تعفف) اور ترک سوال میں نہایت ہی مضبوط ہیں یعنی (یترکون السوال الحافا)"۔[29]

آگے چل کر تفسیر نعیمی کے مصنف نے "فائدے" کے عنوان کے تحت (گیارہ) فوائد تحریر کئے ہیں جس میں سے چوتھا اور پانچواں فائدہ (جو موضوع سے متعلق ہے) درج کیا جارہا ہے فرماتے ہیں:

"(فائدہ) بمقابلہ پیشہ ور بھکاریوں کے چھپے فقیروں کو صدقہ دینا زیادہ اچھا ہے جیسا کہ تعفف سے معلوم ہوا ہے (فائدہ) مخلوق سے اپنی تنگ دستی اور فقر وفاقہ چھپانا بہت اچھا عمل ہے۔ دیکھو ارب نے اصحاب صفہ کے اس عمل کی تعریف فرمائی"۔[30]

اس تمام تفصیل سے جو مطالب و مفاہیم نکلتے ہیں ان میں دو باتیں بے حد اہم ہیں۔ وہ یہ کہ پیشہ ور گداگروں سے مکمل اعراض (پیچھا چھڑانا) اور مشکل و صبر آزما ساعتوں میں صبر و شکر، توکل اور قناعت کا دامن ہمیشہ مضبوطی سے پکڑے رکھے۔ اس ضمن میں مولانا سید امیر علیؒ بیان کرتے ہیں:

"نہیں سوال کرتے لوگوں سے کچھ تا کہ "الحاف" کریں الحاف کرنے کے لیے ان کی طرف سے بالکل سوال نہیں واقع ہوتا اور الحاف بمعنی الحاج ہے۔ یعنی وہ کسی سے سوال نہیں کرتے تو الحاح بھی نہیں کرتے"۔[31]

آگے مزید بیان کرتے ہیں:

"بعض نے ذکر کیا کہ "الحاف" ماخوذ از لحاف ہے جیسے لحاف سے سب طرف ڈھک جاتا ہے ایسے ہی سوال الحاف بھی سب وجود کو حاوی ہوتا ہے۔ وہ مصدر رباب افعال بمعنی مبالغہ کے ساتھ سوال کرنا جس کو ہندی میں کہتے ہیں کہ "یہ فقیر توہٹ کر لپٹ گیا

ہے "اور عربی میں کہتے ہیں (الحف علیٰ) اور یہی معنی الحاج کے ہیں پس الحف علی والح علی) اور (احف بالسوال) سب کے ایک معنی ہیں اور وہ معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ بالکل سوال نہیں کرتے کہ اس میں الحاف واقع ہو جیسے عرب بولتے ہیں کہ (لا یرجی خیرہ) اس شخص کی بھلائی حاصل ہونے کی امید ہی نہیں یعنی اس کے پاس بھلائی ہی نہیں کہ اس کے حصول کی امید ہو اور یہی معنی ابن جریر نے بیان کیے ہیں۔ اور یہ قول زجاج نحوی کا ہے اور جمہور مفسرین نے یہی معنی لیے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ سوال کرتے ہیں تو (تلطف) سے کرتے ہیں اور الحاج نہیں کرتے۔ قال ابن کثیر: سوال کرنے میں الحاج نہیں کرتے ہیں اور وہ لوگوں کو اس چیز کی تکلیف نہیں دیتے جس کے وہ فی الحال محتاج نہیں ہیں کیوں کہ جس نے سوال کیا حالانکہ اس کے پاس ایسی چیز موجود ہے جس سے وہ سوال کرنے سے بے پرواہ ہو سکتا ہے تو اس نے مانگنے میں الحاف کیا۔ مزید بیان کرتے ہیں کہ واضح ہے کہ نفی فقط الحاف کی ہے اور سوال کی نفی نہیں ہے اور غایہ توجیہ اس کی یہ ہے کہ شرع میں فقیر کا تعفف یہ ہے کہ بدوں حاجت کے شدید کے سوال نہ کرے اگرچہ اس پر تکلیف ہو پس اگر تعفف کی صفت ان کے واسطے لازمی ثابت کی تو اس سے اس قدر معلوم ہوا کہ بدوں حاجت کے سوال نہیں کرتے"۔[32]

درج بالا تفسیر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ "الحاف" یعنی لوگوں سے گڑگڑا کر، زاری کر کے اور لپیٹ کر مانگنے کو جمہور مفسرین نے جائز قرار نہیں دیا بلکہ اس کی مذمت بیان کی ہے انہی مفسرین نے اس طرح کے سوال کرنے کو منع کیا ہے۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافًا" وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے الحاف سے مراد ہے سائل کا مسئول سے چمٹ جانا اور بغیر لیے نہ چھوڑنا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے اسی وجہ سے ناواقف ان کو غنی جانتے ہیں مگر ان کی خصوصی نشانیاں ان کی محتاجی کو بتاتی ہیں اور اگر کبھی مانگتے ہیں بھی ہیں تو لپٹ کر نہیں مانگتے۔ بعض علماء نے کہا آیت میں مطلق سوال کی نفی مراد ہے یعنی وہ کسی سے مانگتے ہیں نہیں کہ اصرار کرنا پڑے۔ الحافاً مفعول مطلق بیان نوع کے لیے ہے گویا الحاف (اصرار) ایک طرح کا سوال ہی ہے۔ یا مصدر بمعنی اس فاعل ہو کر (لا یسئلون) کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ لپٹتے ہوئے لوگوں سے نہیں مانگتے"۔[33]

تفسیر ہذا میں مفسرین نے ان سائلین کا تذکرہ کیا ہے جو مسئول سے لپٹ اور چمٹ کر یعنی از حد اصرار اپناتے ہیں جس سے عوام کو از حد پریشانی ہوتی ہے، در اصل اصرار و تکرار سے سوال کرنے کی نفی بیان کی گئی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ "تدبر القرآن" میں "لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الحافا" کے ضمن میں بیان کرتے ہیں:

"وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے) میں اصل مقصود سوال کرنے کی نفی ہے۔ الحافظ کی قید اس کے ساتھ صرف سول کرنے والوں کی عام حالت کی تصویر اور اس کے گھناؤنے پن کا اظہار کے لیے لگائی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے کہ "لا تقتلوا اولادکم خشیة املاق" (اپنی اولاد کو فقر کے اندیشے سے قتل نہ کرو) اس میں ممانعت درحقیقت قتل کی ہے (خشیة املاق) کی قید محض اس کے گھناؤنے پن کو واضح تر کرنے کے لیے ہے۔ یا فرمایا ہے "لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفة" کی قید محض اس کی کراہت کو نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ اس طرح "لا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الحافا" میں مقصود ان کے سوال کی نفی ہے۔ الحافظ کی قید محض سوال کرنے والوں کی عام حالت کے اظہار کے لیے ہے۔ بھلا جو لوگ اتنے خوددار ہیں کہ جو ان کے حال سے بے خبر ہو وہ ان کو غنی سمجھتا ہے وہ گداگروں اور بھیک مانگنے والوں کی طرح حرکت کس طرح کر سکتے ہیں؟ چنانچہ ان کی اسی خودداری اور پردہ داری کی وجہ سے قرآن نے اہل انفاق کو ان کا سراغ دینے کے لیے ان کی پہچان بتائی ہے کہ ان کو چہرے بشرے سے

پہچان کر ڈھونڈنے کی کوشش کرو اور اس کے پاس خود پہنچو، یہ توقع نہ رکھو کہ عام گداگروں کی طرح یہ لوگ تمہارے پیچھے پیچھے بھاگیں گے"۔[34]

موصوف مفسر نے قرآن مجید کی دیگر آیات کی مثال دے کر پیشہ ور گداگروں کی مذمت بیان کی ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مستحقین کو تلاش کرنا اہل انفاق کی ذمہ داری ہے تاکہ حق دار کو صحیح معنوں میں حق مل سکے۔ قرآن مجید کی آیت "لا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الحافًا" میں براہ راست گداگری کے فعل مذموم کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفسیر و تشریح میں نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں احادیث مبارکہ بھی مذکور ہیں۔ اب ہم ان آیات مبارکہ کا ذکر کرتے ہیں جو براہ راست تو بھیک کی مذمت میں نہیں ہے لیکن ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور الحاف، الحاج بالسوال سے گریز بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلوا مما فِي الْأَرْضِ خلالا طيبا ولا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾[35]

"اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو"۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر علامہ غلام رسول سعیدیؒ رقم طراز ہیں:

"وہ چیز جس سے حرمت کا سلسلہ ختم ہو جائے وہ حلال ہے اور طیب وہ چیز ہے جو حلال ذرائع سے حاصل ہو۔ حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نجات تین چیزوں میں ہیں حلال کھانا، فرائض ادا کرنا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا، اور سہل نے یہ بھی کہا کہ حلال مال وہ ہے جو سود، حرام، رشوت، مکروہ، خیانت اور شک سے پاک ہو۔ ہر وہ چیز جو خلاف شریعت ہو وہ شیطان کا کام ہے۔ اگر ثواب یا نیکی کے طور پر کیا جائے تو گناہ ہے، مثلاً ماتم اور توبہ شریعت کے خلاف ہے، اور اگر نیکی کے طور پر کیا جائے تو بدعت ہے۔ شریعت شیطان کے نقش قدم پر چلنا اور اس کے طریقے پر چلنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدعت اور گناہ کا عمل کرنا شریعت شیطان کے قدموں پر چلنا ہے اور اس کے طریقے کی پیروی کرنا ہے۔ سوء کے معنی برائی اور فحشاء کے معنی بے حیائی۔ ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہو وہ سوء اور فاحشی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کام پر حد نہ ہو وہ سوء ہے اور جس پر حد ہو وہ فحشاء ہے"۔[36]

تفسیر بالا سے مذکورہ موقف کی تائید و توضیح ہوتی ہے کہ گداگری کی کمائی یقیناً حلال ذرائع سے رزق کا حصول نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور نبی کریم ﷺ نے رزق حلال پر ہی زور دیا ہے اور ناجائز و ناروا طریق شیطان کا طریق، پیروی اور راستہ بتلایا ہے ۔ سوء اور فحشاء سے گریز ہی رزق طیب کی طلب ہے اور گداگری اس کے بر عکس۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ فرماتے ہیں:

"اے انسانو! کھاؤ اس سے جو زمین میں حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) ہیں"۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اشیائے خورد و نوش میں صفائی کا خاص اہتمام ہونے لگا ہے لیکن حلال اور حرام میں فرق اب بھی واضح نہیں ہو سکا۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں تاکہ جسمانی صحت پر برا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تاکہ ضمیر انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن نے "طیب" کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو "حلال" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور حلال اس چیز کو کہتے ہیں کہ نہ تو ذاتی طور پر حرام ہو جیسے جانور، مردار، شراب وغیرہ اور نہ ایسے طریقوں سے حاصل کی گئی ہو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً چوری، جواء خواہ وہ کلبوں میں ہو، رشوت، سود وغیرہ، اسلامی نظام معاشیات کا ایک بنیادی اصول ہے۔ کسب معاش کے لیے کھلی چھٹی نہیں بلکہ وہ تمام راستے بند کر دیے ہیں جن میں کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے"۔[37]

درج بالا تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے حلال ذرائع اور حرام ذرائع کا فرق بیان فرمادیا ہے کہ حرام ذرائع کو اختیار کرنے سے خدا اور رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور اصل تو باطنی صفائی (رزق حرام سے گریز) ہے کہ گداگری بھی یقیناً ذریعہ حلال نہیں ہو سکتا اور اسلامی معاشیات کے بین اصولوں کی صریحاً خلاف ورزی کے زمرہ میں آتا ہے۔

اس طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیت بھی مذکورہ موقف کی تائید کرتی ہے:

﴿ولا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[38]

"اور ناحق ایک دوسرے کا مال آپس میں نہ کھاؤ"۔

یہ نص قطعی ہے کہ ایک دوسرے کی مالک کے ناحق اور ناروا طریقے سے آپس میں نہ کھاؤ کہ یہ طریق باطل ہے۔ بھیک مانگنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے کہ گداگر ناروا اور غلط طریقہ اختیار کر کے دوسروں کا مال حاصل کرتا ہے جو نہ صرف معیوب ہے بلکہ معاشرتی بے راہ روی اور بگاڑ کا موجب بھی ہے۔ ملاحظہ کیجیے کہ آج کل کے گداگر کیا یہی طریق نہیں اپناتے؟ نت نئے گداگری کے طریقے اپنا کر، جعلی زخمی پن دکھا کر، خود ساختہ معذور بن کر لوگوں سے رقم بٹورتے ہیں اور زاری، گڑگڑا کر منت اور سماجت کرتے ہوئے لپٹ چمٹ کر خیرات مانگتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ مذکورہ آیت مبارکہ کی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ اخلاقیات اور انسانیت سے بھی گرا ہوا عمل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں گداگری کی مذمت وممانعت

رب سے مانگنے والے کبھی مایوس نہیں ہوتے اور جو لوگ ہر ایک سے ہر وقت ہر چیز مانگتے ہیں انہیں ان سے مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملتا، لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کو ہی ٹھیک کہا جاتا ہے اور یہ انسان کی غیر غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔ اس سے خودداری ختم اور شرم وحیا جاتی رہتی ہے۔ انسان کاہل و کام چور اور لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔ وہ جب بھی مانگتا ہے خوشامد کرتے ہوئے مانگتا ہے۔ بھکاری کو سب کچھ سہنا پڑتا ہے کیوں کہ اس کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے تو نیچا بن کر رہنا بھی پڑتا ہے، دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور اسے معاشرے میں اونچا مانا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى، فَاليَدُ العُلْيَا: هِيَ المُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى: هِيَ السَّائِلَةُ "[39]

"اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والے کا ہے اور نیچے کا ہاتھ مانگنے والے کا ہے"۔

مانگنے والے اکثر بھیک کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کا گھر بھرا ہوتا ہے اور انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ رب العزت کا دیا ہوا سب کچھ ہوتا ہے مگر عادت پڑ گئی ہے تو مانگیں گے ضرور۔ شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر، عزت نفس بیچ کر، ڈانٹ پھٹکار سن کر بس مانگے جائیں گے، ہاتھ پھیلاتے جائیں گے، آہ وزاری کرتے جائیں گے۔ جسم توانا ہو گا، ہاتھ پاؤں سلامت ہوں گے مگر بھیک مانگنا نہ چھوڑیں گے۔ حیلے بہانے، روپ بدل کر، خود کو بیمار داپانچ ظاہر کر کے اور مختلف تدبیروں سے بھیک مانگنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ خود اور بیوی حتی کہ معصوم بچوں کو بھی بے حمیت بنادیں گے۔ بعض بھیک مانگنے والے یہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے کہ ہم کیوں نہ مانگیں یہی ہمارا پیشہ ہے، یہی ہماری روزی ہے، ہم فلاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے مانگنا ہمارا حق ہے۔ جب کہ شرعاً بھیک مانگنے کا تعلق کسی ذات برادری اور خاندان وقبیلے سے ہرگز نہیں اس کا تعلق ضرورت وحاجت سے ہے بغیر ضرورت وحاجت جو مانگے گا وہ جہنم کی آگ اکھٹی کرے گا اور اپنی جھولی وکشکول میں انگارے بھرے گا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ»[40]

"جو شخص مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے ان کا مال مانگتا ہے وہ آگ کے انگارے مانگتا ہے، چاہے کم مانگے یا زیادہ"۔

صحیح مسلم میں ایک اور روایت ہے:

«مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»[41]

"مانگنا ایسے شخص ہی کے لیے جائز ہے جو کنگال و فقیر ہو یا سخت پریشان حال مقروض ہو، جو لوگ ان حالات کے بغیر مانگتے ہیں ان کے منہ پر روز قیامت گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہو گی، سارا چہرہ زخموں سے بھرا ہو گا"۔

سہیل بن حنظلہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ، جَاءَتْ خُمُوشًا، أَوْ كُدُوحًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَمَاذَا يُغْنِيهِ، أَوْ مَاذَا أَغْنَاهُ؟ قَالَ: «خَمْسُونَ دِرْهَمًا، أَوْ حِسَابُهَا مِنَ الذَّهَبِ»[42]

"جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اس قدر مال ہے جو اس کو غنی کر دے تو وہ اس سوال کے ذریعے آگ کی کثرت طلب کر رہا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ غنا کی حد کیا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں؟ آپ نے فرمایا: اس قدر جو اس کے لیے صبح و شام کی غذا کا کام دے سکے"۔

لالچ کے ساتھ مال کو لینا بے برکتی پیدا کرتا ہے، گویا کھاتا جا رہا ہے اور پیٹ بھرنے کا نام نہیں لیتا۔ اس طرح مانگنے کا حریص، ہاتھ پھیلانے کا عادی خواہ کتنا ہی جمع کر لے اس کی حرص نہیں جاتی، ہر وقت مزید مزید کا طلب گار رہتا ہے۔ بے حمیتی کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ پیچھے پڑ کر لیتا ہے، جھڑکیاں سہہ کر لیتا ہے، ڈانٹ پڑتی ہے مگر باز نہیں آتا، رسوائی ہوتی ہے، ذلیل و خوار کیا جاتا ہے مگر بھیک مانگنا بند نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ يَكْفُلُ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا، وَأَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ؟»، فَقَالَ ثَوْبَانُ: أَنَا، فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا "[43]

"کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ لوگوں سے کبھی کوئی سوال نہیں کرے گا، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ حضرت ثوبان کھڑے ہوئے اور عرض کیا: "میں ضمانت دیتا ہوں' اس کے بعد حضرت ثوبان کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتے تھے"۔

اسلام میں بھیک مانگنا منع ہے۔ اسلام ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا، وہ محنت مزدوری کر کے کھانے کھانے پر زور دیتا ہے، دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی اجازت بہ درجہ مجبوری ہے۔ اسلام میں پیشہ ورانہ بھیک مانگنے اور اسے اپنا خاندانی حق سمجھنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ چنانچہ حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کا ضامن ہوا پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

" لَا تَصْلُحُ الْمَسْأَلَةُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ رَجُلٍ: أَصَابَتْ مَالَهُ جَائِحَةٌ، فَيَسْأَلُ حَتَّى يُصِيبَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ، ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَيَسْأَلُ حَتَّى يُؤَدِّيَ إِلَيْهِمْ حَمَالَتَهُمْ، ثُمَّ يُمْسِكُ عَنِ الْمَسْأَلَةِ، وَرَجُلٍ يَحْلِفُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِنْ قَوْمِهِ مِنْ ذَوِي الْحِجَا بِاللَّهِ، لَقَدْ حَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ لِفُلَانٍ، فَيَسْأَلُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ مَعِيشَةٍ، ثُمَّ يُمْسِكُ عَنِ الْمَسْأَلَةِ، فَمَا سِوَى ذَلِكَ سُحْتٌ "[44]

"یہاں ٹھہرو تا آنکہ ہمارے پاس صدقہ آئے۔ پھر ہم تیرے لیے کچھ کریں گے۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا: قبیصہ! تین شخصوں کے علاوہ کسی کو سوال کرنا جائز نہیں۔ ایک وہ جو ضامن ہو اور ضمانت اس پر پڑ جائے جس کا وہ اہل نہ ہو۔ وہ اپنی ضمانت کی حد تک مانگ سکتا ہے۔ پھر رک جائے۔ دوسرا وہ جسے ایسی آفت پہنچے کہ اس کا سارا مال تباہ کر دے وہ اس حد تک مانگ سکتا

ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے اور تیسرا وہ شخص جس کو فاقہ کی نوبت آگئی ہو۔ یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین معتبر شخص اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں کو فاقہ پہنچا ہے اسے سوال کرنا جائز ہے تا آنکہ اس کی محتاجی دور ہو جائے۔ پھر فرمایا: اے قبیصہ ان تین قسم کے آدمیوں کے سوا کسی اور کو سوال کرنا حرام ہے اور ان کے سوا جو شخص سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھا رہا ہے "۔

جس دین نے بھیک مانگنے سے سب سے زیادہ منع کیا ہو، محنت سے کمانے کھانے اور کوشش و جدوجہد سے روزی حاصل کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا ہو، اسی دین کے نام لیواؤں میں بھکاریوں کا تناسب سب سے زیادہ ہو، ہر چوراہے، گلی کوچے، مسجد کے سامنے بھیک مانگنے والوں کی بھیڑ دکھائی دے تو یہ کس قدر افسوس ناک ہے۔ ہم سب کو ہر حال میں اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ رب العزت ہمیں صرف اپنے در کا سوالی بنائے رکھے، اس لیے کہ در در کے سوالی کبھی خوش حال نہیں ہوتے۔

درج بالا اقتباسات اور فرمان نبوی ﷺ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کہ بھیک مانگنا اور بلاسبب کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا درست عمل نہیں ہے۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

تعلیمات نبوی کے احسانات میں سے یہ بھی انسانیت پر احسان ہے کہ انسان کو کائنات میں اس کے مقام و مرتبہ سے آشنا کروایا، ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾[45] کا تاج کرامت ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[46] کا حسن ازلی، حامل امانت الٰہی خالق و ملائکہ کی صلوۃ کا مستحق اور محبوب الٰہی کا مقام بلند، اسی انسان کو عطا ہوا، زمین و آسماں کی ساری صلاحیتیں اس کے لیے ہر لمحہ سرگرم عمل ہیں، یہی مخدوم کائنات ہے، بین فضائل و کمالات کی بنا پر انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنے ہی جیسے انسان کے سامنے دست سوال دراز کرے، گداگری کا نہ جانے کب آغاز ہوا لیکن یہ انسانیت کے لیے بدنما دھبہ ہے، نبی کریم صلی للہ ہم نے انسانیت سے اس کالک کو دور کیا۔ آپ نے انسان کی ان تمام نفسیاتی الجھنوں کو حل فرمایا جو اس انسانیت سوز پیشہ کا محرک بنتی ہے۔ گداگری کے انسداد کے لیے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ سوال کرنے کی مذمت

نبی کریم ﷺ نے سوال کرنے کو اس قدر مذموم قرار دیا کہ صحابہ اپنی ضروریات کے لیے بھی دوسروں سے جائز سوال کو مناسب خیال نہ کرتے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہم نو، آٹھ یا سات آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے انہی دنوں آپ سے بیعت کی تھی، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم تو آپ سے بیعت کر چکے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا: تم اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت نہیں کرتے ۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی علیم، ہم تو آپ سے بیعت کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا تم اللہ کے رسول سے بیعت نہیں کرتے، عوف کہتے کہ ہم نے ہاتھ بڑھا دیئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم تو آپ سے بیعت کر چکے ہیں، اب کسی چیز کی بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا اس بات کی کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے اور پانچ نمازیں پڑھو گے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو گے اور ایک بات آہستہ سے فرمائی "ولا تسالون شیئا" اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔ حضرت عوف کہتے ہیں میں نے بیعت کرنے والے اس گروہ کے الناس بعض ساتھیوں کو دیکھا کہ

"يَسْقُطُ سَوْطُ أَحَدِهِمْ، فَمَا يَسْأَلُ أَحَدًا يُنَاوِلُهُ إِيَّاهُ"[47]

"اگر ان کا چابک بھی گر جاتا تو وہ کسی سے اس کے اٹھا کر دینے کا سوال نہ کرتے"۔

نبی ﷺ نے گداگری کے گھناؤنے اثرات کو بیان کرتے ہوئے یہ خبر سنائی کہ سوال کرنے والے کے چہرے سے حسن و نور غائب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسا آدمی جب بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گا تو:

«وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»[48]

"اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہو گا"۔

ایسے آدمی کے لیے اس چیز کو واضح فرمادیا کہ مانگنے والا کبھی سیر نہیں ہو سکتا:

« وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ»[49]

ان تنبیہات کے بعد انسان بھوکا رہنا تو گوارہ کر سکتا ہے۔ کسی کے سامنے سوال دراز کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

امام غزالی نے سوال کو حرام قرار دیا اور حالت اضطراب میں مباح۔ وہ سوال کی حرام ہونے کی تین وجوہ لکھتے ہیں:

- لوگوں سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے شکایت ہے۔ جس طرح کسی کا غلام دوسرے سے سوال کرے تو اس کا مانگنا آقا کی ہتک اور شکایت ہوتی ہے۔
- سوال میں انسان اپنے نفس کو اللہ تعالی کے سوا دوسرے کے سامنے ذلیل کرتا ہے اور یہ مومن کے لیے جائز نہیں۔
- اکثر دینے والے کو سائل کے رویہ سے ایذا ہوتی ہے۔

2۔ عمل اور کسب وسعی کا حکم

نبی ﷺ نے فارغ البالی اور کسل کو پسند نہیں فرمایا بلکہ کار گاہ حیات میں مؤمن اپنی دنیا اور آخرت کو سنوار نے کے لیے مشغول و مصروف رہتا ہے۔ قرآن کریم بندہ مومن کی مشغولیت کو عمل صالح سے تعبیر کرتا ہے۔ عمل صالح کی وضاحت حمید الدین فراہی نے ان الفاظ میں کی ہے:

"جو انسان کے لیے زندگی اور نشو و نما کا سبب بن سکے اور جس کے ذریعہ سے انسان ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکے جو اس کی فطرت میں ودیعت ہیں"۔[50]

قرآن نے ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے عمل صالح کتنا ہی صلاحیت بخش کیوں نہ ہو اگر اس کی جڑ میں ایمان نہیں تو قابل قبول نہیں اس لیے ایمان اور عمل صالح کا ذکر اکٹھا آیا گویا عمل صالح اس ایمان کا شاہد ہوتا ہے جو دل میں مستور ہوتا ہے شاید اس وجہ سے نماز جمعہ ادا کرنے سے پہلے کاروبار میں مشغولیت پیچ تھی اور بعد میں یہی کسب و سعی "فضل اللہ "بن گئی۔ قرآن کریم نے رزق حلال کے لیے کسب وسعی کے ساتھ ذکر کیا:

﴿ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾[51]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں رزق حلال کے لیے جدوجہد کا مقام بڑا اور اونچا ہے کہ اس کو مجاہدین کے ساتھ شمار کیا گیا۔ اس ضمن میں مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ جو شخص ایک شہر سے خوراک کا سامان کسی دوسرے شہر میں لے آتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے۔ تو اللہ تعالی کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے، پھر حضور ﷺ نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائی۔

قرآن کریم میں تقریباً 320 آیات ہیں جن میں عمل کی اہمیت، عامل کی مشغولیت اور جزا ان کے حقوق و واجبات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اسلام میں عمل کے مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے۔[52] نبی کریم ﷺ کا اس ضمن میں عملی نمونہ بھی یہی ہے کہ آپ خود ہاتھ سے کام کرتے اور اس کو پسند فرماتے۔ آپؐ نے چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔[53] مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے[54] غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔ آپ خود گھر کی صفائی فرمالیتے۔ اونٹ کو باندھ لیتے اور اپنے جانور کو چارہ بھی دیتے اور خدمت گار کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور آٹا گوندھنے میں اس کا ہاتھ بٹاتے اور بازار سے سودا بھی

لے آتے۔[55] ان عملی تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ کے ارشادات بھی ہیں جو رزق حلال کے لئے کسب و سعی کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"تم میں سے کسی کا رسی لے کر جانا اس سے بہتر ہے کی وہ لوگوں سے سوال کرے"۔[56]

اسی روایت میں ہے کہ:

"تم میں سے کوئی اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لائے تو یہ سوال کرنے سے بہتر ہے"۔[57]

صحابہ نے آپ کے اسوہ حسنہ کا مشاہدہ کیا اور ارشادات کو سنا تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ کسل اور فارغ البالی کے ایام گزارنا پسند ہی نہ کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کثرت روایات کا سبب دریافت کیا تو آپ نے صحابہ کی مشغولیات و مصروفیات کی طرف اجمالا اشارہ کیا۔ مہاجرین کے بارے میں فرمایا کہ:

"وہ بازار میں مشغول رہتے ہیں اور انصار کا بتایا کہ وہ کھیتوں اور باغات میں کام کرتے ہیں"۔[58]

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے اصحاب رسول ﷺ کی یہ حالت بیان کی کہ:

"ان کے جسم سے بو آتی اور کہا جاتا کہ کاش وہ نہا لیتے"۔[59]

یہ تھا تربیت نبوی کا اثر وہ آج کے پیر ان عظام اور علمائے کرام کی طرح دوسروں کے دست نگر بننا نہ چاہتے تھے اس لیے شدید مشقت کرتے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمن بن عوف کے کاروبار، حضرت ابو بکر کی تجارت اور حضرت عمر کی بازار میں مشغولیت کا ذکر بھی ہے۔ مفتی محمد شفیع نے سورہ النور کی آیات 37 کی وضاحت کرتے ہوئے صحابہ کے طرز معیشت کے بارے میں لکھا ہے:

"اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زیادہ تر تجارت پیشہ یا صنعت پیشہ تھے"۔[60]

اسی طرح امام بخاری نے حداد (بڑھی)، خیاط، (درزی، نساخ (کپڑا بننے والا)، نجار (بڑھی)، صائغ (سنار) سے متعلقہ مختلف روایات نقل کی ہیں جو انسان کو کسب و سعی کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ہمارے ائمہ کے ناموں کے ساتھ مختلف پیشوں کی نسبتیں (بزاز، قفال، جصاص، قطان وغیرہ) بھی ظاہر کرتی ہیں کہ علم و عمل کے ان بلند سپوتوں نے عمل صالح کا کیا جامع تصور لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ امام شعرانیؒ لکھتے ہیں:

"کیا ہی اچھا ہو کہ درزی اپنی سوئی کو اور بڑھی اپنی آری کو تسبیح بنا لے"۔[61]

تعلیمات نبی صلی اللہ ہم نے ان تصورات و نظریات کی بیخ کنی کر دی جو انسان کے عمل کسب و سعی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ

- ان ایک رکاوٹ تو توکل علی اللہ کی غلط تعبیر و تشریح ہے۔ آپؐ کی تعلیمات کی روشنی میں توکل، کسب و سعی اور نتیجہ اللہ پر چھوڑنا ہے نا کہ کسب و سعی سے دستبردار ہونا۔
- دین و دنیا کی تفریق کی آڑ میں ترک دنیا کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا۔ بلکہ محنت و مشقت کر کے رزق حلال کمانا عبادت میں شمار کیا اور حسنات آخرت کے ساتھ حسنات دنیا طلب کرنے کی تلقین کی۔
- لوگوں نے الفقری فخری کو باعث ثواب جانا لیکن آپؐ نے فتنہ فقر سے پناہ مانگی۔[62]

- پس اسلام نے ان رکاوٹوں کو دور کیا جو انسان کو رزق حلال کی سعی سے روکنے کا ذریعہ بنتی ہیں لیکن عزت و وقار کا سودا کر کے کاسۂ گدائی پھیلانا پسند نہ کیا۔
- لوگ اپنی کاہلی اور سستی کی وجہ سے سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن تعلیمات نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفر کو رکاوٹ نہ سمجھا جائے بلکہ کامیابی و کامرانی کا ذریعہ سمجھا جائے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک فرد کے دریائی سفر کا ذکر کیا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اس روایت کے لیے جو عنوان قائم کیا وہ ہے "التجارة في البحر" یعنی تجارت کے لیے بحری سفر کرنا۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے بنی اسرئیل کے ایک فرد کا واقعہ امت کو ترغیب دلانے کے لیے بیان کیا۔ اس پر خشکی اور ہوائی سفر قیاس کئے جا سکتے ہیں۔

پس اسلام نے ان رکاوٹوں کو توڑ دیا جو انسان کو رزق حلال کی سعی سے روکنے کا ذریعہ بنتی ہیں لیکن عزت و وقار کا سودا کر کے کاسہ گدائی پھیلانا پسند نہ کیا۔ عصر حاضر کے تناظر میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عمل اور کسب و سعی دو طرح کی ہیں اور دونوں تعلیمات نبی سے ثابت ہیں:

1۔ عمل بالید

یعنی ہاتھ سے کام کرنا اور تجارت وصنعت و حرفت حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»[63]

"کسی نے ہر گز اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے"۔

اور اس کے لیے ایک جلیل القدر نبی کی نظیر پیش کر کے عمل بالید کی عمرانی زندگی میں اہمیت و عظمت واضح فرمادی۔

«وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»[64]

"بے شک اللہ تعالی کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے"۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اس روایت کے باب کا عنوان قائم کرتے ہوئے بھی اپنی فطری فقاہت کا ثبوت دیا۔ باب ہی اس سلسلہ میں تعلیمات نبوی کو مبرہ کر رہا ہے۔ عنوان یہ ہے: "كسب الرجل وعمله بيده"۔

2۔ ذہنی و فکری عمل

اس دور میں Think Tank کی اصطلاح رائج ہوئی۔ اسلام نے شروع ہی سے غور و فکر کی تلقین فرمائی۔ قرآن کریم نے مختلف انداز سے دعوت فکر اور اس کے لیے وہ تمام الفاظ استعمال کیے جو انسانوں کو اس فکری کام کی طرف متوجہ کر سکتے تھے۔ مادہ عقل کے لیے مشتقات کی تعداد 49 ہے۔ 22 مرتبہ (یعقلون) 34 مرتبہ (تعقلون) اور عقلوہ، نعقل، یعقلھا ایک ایک مرتبہ آئے ہیں) تدبر کا لفظ 4 مرتبہ، تفکر 6 مرتبہ، تفقہ 20 مرتبہ، تزکر 269 استعمال ہوئے جو ساکنان زمین کو مخلوقات میں انتہائی گہرائی و گہرائی سے دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ اس فکری مشقت کو انجام دینے والے لوگوں کو اولولا الباب (قرآن میں یہ لفظ 61 آیات میں آیا ہے) قرار دیا ہے۔ لب خالص عقل کو کہتے ہیں۔ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

"کل لب عقل ولیس کل عقل لبا"[65]

عمل بالفکر کی اہمیت اور اسلام میں اس کا مقام واضح کرتے ہوئے عبید اللہ فہد لکھتے ہیں:

"The rational thinking in Islam is treated as one of the religious obligations of Muslim Ummah while the intellectual activities are considered as their unavoidable duties".[66]

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس دور میں فکری ارتقاء باطن سے خارج کی طرف ہے جو ہیجان خیز مادی قدروں کو جنم دے رہاہے۔ جب کہ اسلامی فکری ارتقاء روحانی قدروں کو جنم دیتاہے اور کائنات کی بے کراں وسعتوں میں تدبر ، تفکر، اور تعقل سے ایمان کا نور بڑھانے کی تلقین کرتا ہے اس کے نتیجہ میں "علم نافع" وجود میں ہے۔ اقبال نے اس نکتہ کی وضاحت یوں کی ہے:

فقر قرآن اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جذ بہ ذکر[67]

اس شعر کا مفہوم ہے کہ ! فقر قرآن ذکر اور فکر کا باہم اختلاط ہے میں نے ذکر کے بغیر فکر کو کامل نہیں دیکھا۔ فکر سے مراد اپنی ذات کے اندر غور کرنا اور خودی کی پہچان حاصل کرنا ہے جبکہ ذکر سے مراد ذکر اسم ذات ہے۔ جب طالب ان دونوں خصوصیات کا حامل ہو جاتا ہے تو وہ صاحب فقر ہو جاتا ہے۔

3۔ نفسیاتی طریقہ سے خاتمہ کے لیے اقدامات

رحمت عالم ﷺ انسان کی نفسیاتی خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ تھے۔ انسان فطری طور پر عزت و وقار اور معاشرہ میں مقام و مرتبہ کا خواہاں ہے۔ اسی لیے آپؐ نے گداگری کے انسداد کے لیے اس پہلو سے تدارک کیا۔ صاحب جوامع الکلم نے ایک ہی جملہ میں گداگری کی مزمت فرمادی اور عزت و وقار کے تحفظ کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صدقہ کی تبلیغ فرمارہے تھے اور آپ کو سوال کرنے کی تلقین کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے سلامتی عطا فرما، فرمایا:

"اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى، فَاليَدُ العُلْيَا: هِيَ المُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى: هِيَ السَّائِلَةُ"[68]

"اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والے کا ہے اور نیچے کا ہاتھ مانگنے والے کا ہے"۔

یہ وہ انداز فکر ہے جو شفیع امت ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں صدقات و خیرات کے فضائل میں آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بھی اسی نفسیاتی پہلو کا حصہ ہے۔

4۔ صلہ رحمی اور قربت داری کا خیال

معاشرتی سطح پر تعلیمات نبوی میں یہ امر واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ آپ صلی علیہ ہم نے صاحب حیثیت افراد کے لیے یہ لازم قرار دیا کہ وہ صدقات واجبہ ونافلہ کا آغاز اپنے قریبی افراد خاندان سے کریں اس طریقہ سے کسی بھی معاشرہ میں ضرورت مند اور محتاج افراد باقی نہیں رہتے۔ صحیح مسلم کے ایک باب کا عنوان "فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج والاولاد والوالدين ولو كانوا مشركين "کہ اقرباء خاوند اولاد اور والدین پر خرچ کی فضیلت خواہ وہ مشرک ہوں۔ اس باب سے واضح ہوتا ہے کہ قریبی ضرورت مند افراد پر خرچ کرنے کا اجر دوہرہے ایک ثواب صلح رحمی کا اور دوسرا صدقہ کا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو باغ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا تو آپ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور عم زادہ بھائیوں تقسیم کر دیا۔

معاشرتی فلاح وبہبود کے ضمن ضرورت مند سائلین کے خاتمہ کے لیے یہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

5۔ پیشہ ور گداگر اور حکومتی ذمہ داریاں

پیشہ ور گداگروں کے مختلف حیلوں بہانوں کا ذکر کرنے کے بعد علامہ غلام رسول سعیدی حکومتی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مقروض کے لیے ادائیگی قرض کے واسطے سوال کی اجازت اس وقت ہے جب اس نے جائز ضرورت کی وجہ سے قرض لیا ہو۔ اگر کسی گناہ کی خاطر قرض لیا ہے تو سوال کی اجازت نہیں، فاقہ زدہ کے لیے اس کی قوم کے تین ذی عقل آدمیوں کو گواہی بطور استحباب ہے ورنہ دو آدمی کی گواہی بھی کافی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشہ ور گداگری اسلام میں ناجائز ہے اور اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ پیشہ ور گداگروں کے خلاف قانونی کاروائی کرے۔ آج کل بعض لوگ مصنوعی طور پر اور بعض عمداً معذور بن جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ خراب کر کے ایسی وضع اختیار کرتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ترس آئے اور زیادہ سے زیادہ بھیک ملے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت سلامتی اعضاء ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ضائع کرتے ہیں اور کفران نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض لوگ میک اپ کا سہارہ لے کر مصنوعی بیماریاں ظاہر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، بعض مصنوعی طور پر نابینا یا طور پر نابینا یا لنگڑے بن جاتے ہیں اب ایسے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے سخت سزا دینی چاہیے تا کہ اس مکروہ پیشہ کی حوصلہ شکنی ہو اور پیشہ ور گداگری کی لعنت کا خاتمہ ہو"۔ [69]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"ایسے پیشہ ور لوگوں کے لیے حکومتی مداخلت کی تائید حضرت عمر کے اس طرز عمل سے ہوتی ہے: حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سنا کہ مغرب کے بعد سوال کرتا تھا آپ نے کسی کو حکم دیا کہ اس کو کھانا دے دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی آپ نے اس کی آواز دوبارہ سنی تو پھر پوچھا کہ میں نے اس سائل کو کچھ دینے کو کہا تھا۔ عرض کیا گیا کہ اسے کھانا دے دیا گیا تھا۔ آپ نے اس سائل کی جھولی دیکھی تو وہ روٹیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تو سائل نہیں تاجر ہے۔ پھر جھولی لے کر زکاۃ کے اونٹوں کے سامنے ڈال دی اور سائل کو درے مارے۔ امام غزالی نے آپ کے اس فیصلے کو مدبرانہ اور فقیہانہ قرار دیا"۔ [70]

گداگری کے تدارک کے بارے اسلامی تعلیمات

آج کل گداگری کا پیشہ انتہائی مکروہ شکل اختیار کر چکا ہے اچھے بھلے مانس کاسہ گدائی لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ بچوں میں بھی یہ عادت بہت سرایت کر رہی ہے۔ آپ کو ہر جگہ ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہی ہو گا جنہوں نے اس مکروہ دھندے کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واشگاف الفاظ میں ملتی ہے کہ اسلام نے سائل اور مسئول دونوں کے بارے میں احکامات صادر فرمائے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں گاہے بگاہے مال خرچ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں ترغیبات کا ایک وسیع میدان ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مانگنے والوں کی مذمت کے بارے میں بھی واضح ارشادات موجود ہیں۔ آپؐ کی مجلس میں ایک مسلمان حاضر ہو کر دست سوال دراز کرتا ہے آپ اس سے پوچھتے ہیں کیا تمہارے پاس کچھ نہیں؟ اس نے عرض کی یارسول اللہ! ایک کمبل ہے، جس کا آدھا حصہ نیچے بچھا کر باقی آدھا اوپر اوڑھ لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی وغیرہ پیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، چنانچہ وہ دونوں چیزیں لے کر حاضر ہوا آپؐ نے فرمایا کون ان کو خریدے گا؟ ایک صاحب نے کہا میں ان کو دو درہم میں خریدتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے وہ دونوں چیزیں ان کو دیدیں اور درہم لے کر اند انصاری کو دے دیے اور ان سے کہا ایک درہم کا کھانا گھر پہنچا دو اور دوسرے درہم کی ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ لے آئے آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے اس میں لکڑی گاڑی اور فرمایا جاؤ! اس سے لکڑی کاٹ کر فروخت کرو۔ پندرہ دن تک میں تمہیں یہاں نہ دیکھوں۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"هَذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[71]

"یہ محنت مزدوری تمھارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن اس حالت میں آؤ کہ تمہارا سوال کرنا تمہارے چہرے پر داغ کی صورت میں ظاہر ہو "۔

آپؐ کا یہ بھی فرمان عالی مقام بھی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل دو۔ اسلام میں اس بے روزگاری و بے کاری جو سستی و کاہلی پیدا ہوتی ہو اور انسان باوجود قدرت اکتساب کے کمائی نہیں کرتا واضح حکم موجود ہے کہ حکومت اسلامیہ ایسے لوگوں کی کڑی نگرانی کرے۔

ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے حلال ذریعہ معاش حاصل کرنے کی ترغیب دے اس کے باوجود اگر کوئی شخص تندرست و توانا ہونے کے باوجود مانگنے کو اپنا وظیفہ بنائے تو حکومت اسلامی ان کو زبردستی کام کرنے پر مجبور کرے۔

ایسے ہی کچھ لوگ جو حج کے موقع پر اپنے ساتھ توشہ نہ لے جاتے تھے اور اپنے آپ کو متوکلین میں شمار کرتے، لیکن راستے میں جب توشہ ختم ہو جاتا تو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے جس پر یہ آیات نازل ہوئیں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾[72]

"تم اپنا زادِ راہ ساتھ لے لو اس لیے کہ بہترین توشہ تو تقویٰ ہے"۔

ایک طرف تو اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ بندوں کو روزی کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے دوسری طرف عام مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ گردوپیش مفلوک الحال، غریب اور تنگدست لوگوں پر نظر رکھیں اپنی ضرورت سے زائد مال فقراء و مساکین میں صرف کریں۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو چاہیے کہ وہ ایسے شخص کو دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس ضرورت سے زائد توشہ ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو دے جس کے پاس توشہ نہیں"۔[73]

اور ایسے شخص کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:

"وہ مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سوئے"۔[74]

امام الموصلی عبد اللہ بن محمودؒ لکھتے ہیں کہ:

"اگر اس کو کسی نے کھلا پلا دیا تو اوروں سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص بیمار، معذور یا اپاہج ہو تو حکومت اسلامی کا فریضہ ہے کہ ایسے لوگوں کی دست گیری کرے، ان کی صحیح کفایت کرے"۔[75]

حضرت عمر کا ایک ایسی جماعت پر گزر ہوا جو جذام کے مرض میں مبتلا تھے آپ نے بیت المال سے ان کو اتنا مال دینے کا حکم دیا جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں اور ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ مالدار سے مالدار ترین بننے کی کوشش میں مصروف عمل ہے، غریب کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شریعت کے مقرر کردہ نظام زکوۃ پر صحیح معنوں میں عمل نہیں ہو رہا جس کی وجہ سے دولت کا عدم توازن ہے، مال امراء کے ہاتھوں گردش کر رہا ہے اور دوسری طرف رزق حلال کی کمائی سے ایسے لوگ پہلو تہی کرتے دکھائی دیتے ہیں، جنہیں اللہ تعالی نے صحت مندی سے نوازا ہے۔

نتائج تحقیق

اس تحقیق سے درجہ ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں:

- گداگری سماجی و معاشرتی برائی ہے۔

- گداگروں کے پس پشت مافیاز موجود ہیں۔
- گداگری تساہل اور کام چوری کا باعث ہے۔
- گداگری تعلیم کی کمی اور عدم فروغ کا سبب ہے۔
- گداگری معاشی و معاشرتی ابتری کی علامت ہے۔
- گداگر دھوکہ دہی اور فریب کاری کا موجب ہے۔
- گداگری اسلامی تعلیمات کے بھی صریحا خلاف ہے۔
- گداگری بیشتر صورتوں میں وراثت میں ملا ہوا عمل ہے۔
- گداگر اپنے بچوں کو زبردستی گداگری پر مجبور کرتے ہیں۔
- پس ماندہ ممالک کی ناقص حکومتی پالیسیاں گداگری کا سبب ہیں۔

حوالاجات

1 حسن عمید، فرہنگ عمید، انتشارات امیر کبیر، ایران، 2004ء، ج2، ص167

2 ابن منظور، جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1414ھ، ج5، ص60، بذیل مادہ ف ق ر

3 ایضاً، ج5، ص60، 61، بذیل مادہ ف ق ر

4 اشفاق احمد، محمد اکرم چغتائی، فضل قادر فضلی، ہفت زبانی لغت، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1974ء، ص487، 540

5 H. W. Flower, "The Concise Oxford Dictionary ,Oxford at the Clerendon Press, London ,1918, p74

6 Charles Arrandale,The Concise English Dictionary, Blaskies & Sons Ltd London, Dublan, Galasgow, 1960, p60

7 Dr. J. M Kumarappra, Our Beggar Problem, Padma Publication Ltd, Bombay , 1945, p4

8 James A.H. Murray, Henry Bradly, W.A Caragie, C.T Oxions, The Oxford English Dictionary, p767

9 پردل خٹک، پشتو اردو لغت، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1973ء، ج2، ص174

10 سید احمد، دہلوی، فرہنگ آصفیہ، (:مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1977ء، ج3، ص101

11 سید محمود قاسم، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہ کار بک فاؤنڈیشن، لاہور، 1984ء، ص

12 ملا علی قاری، ابو الحسن نور الدین علی بن (سلطان) محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر، بیروت، 1422ھ/2002ء، ج8، ص3161، رقم الحدیث:5050

حکم: محدثین عظام نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنے سے احتراز کیا جائے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی (728ھ) سے اس روایت کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا" :كذب لايعرف في شيء من كتب المسلمين المعروفة". "یہ جھوٹ ہے، مسلمانوں کی معروف اور متداول کتب میں نہیں ہے۔" اسی طرح حافظ صغانی رحمہ اللہ تعالی (650ھ) نے "الموضوعات "میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی(852ھ) نے "التلخیص الجبیر "میں، علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالی (902ھ) نے "المقاصد الحسنة "میں، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی(1014ھ) نے "المصنوع "، اور "الأسرار المرفوعة "میں، محدث عجلونی رحمہ اللہ تعالی(1160ھ) نے "كشف الخفاء "میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم، الفتاویٰ الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ، ج5، ص89۔ صغانی، رضی الدین حسن بن محمد بن حسن، الموضوعات، در المأمون، دمشق، 1405ھ، ص52، رقم الحدیث:77۔ ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد، التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ/1989ء، ج3، ص241، رقم الحدیث:1416۔ سخاوی، شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد، المقاصد الحسنہ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1405ھ/1985ء، ص480، رقم الحدیث: 742۔ ملا علی قاری، ابو الحسن نور الدین علی بن (سلطان) محمد، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 1398ھ، ص 128، رقم الحدیث: 207۔ ملا علی قاری، ابو الحسن نور الدین علی بن (سلطان) محمد، الاسراء المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، سطن، ج1، ص255، رقم الحدیث:320۔ عجلونی، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی، کشف الخفاء و مزیل الإلباس، مکتبۃ العصریہ، مصر، 1420ھ/2000ء، ج2، ص102، رقم الحدیث: 1835

13 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1985ء، ج15، ص445

14 ایضاً

15 سورۃ فاطر 15:35

16 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج15، ص442

17 بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ، شعب الایمان، مکتبۃ الرشد، ریاض، سعودی عرب، 1423ھ/2003ء، ج9، ص12، رقم الحدیث:6188

حکم: اس حدیث کی سند میں یزید الرقاشی ضعیف ہے اور امام طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ انس "کاد الحسد أن یسبق القدر، وکادت الحاجۃ أن تکون کفرًا" سے ان الفاظ کی زیادت کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے۔ عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ج2، ص126، رقم الحدیث:1919

18 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج15، ص443

19 K .G.Saur, Encyclopedia of World Problems & Human Potential, Paris Manchen New Providance London, 1991, 4th Edition, Vol.1, p:297-98

20 Walter C. Rockless, The Crime Problem, Newyork , 1995, p408

21 سورۃ البقرۃ 273:2

22 طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان فی تأویل القرآن (تفسیر طبری)، تحقیق احمد محمد شاکر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1420ھ/2000ء، تحت سورۃ البقرۃ، آیت نمبر273، ج5، ص597، 598

23 اسماعیل حقی بن مصطفیٰ، روح البیان، دار الفکر، بیروت، سطن، تحت سورۃ البقرۃ، آیت نمبر273، ج1، ص435

24 بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، تحقیق محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ، بیروت، 1422ھ/2002ء، ج2، ص123، رقم الحدیث:1471

25 معمر بن راشد، ابو عروۃ البصری، معمر بن ابی عمرو راشد، الجامع، تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی، توزیع المکتب الاسلامی، 1403ھ، ج11، ص141، رقم الحدیث:20145

حکم: علامہ زیلعی لکھتے ہیں کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی احادیث سے مروی ہے۔ جہاں تک ابو ہریرہ کی حدیث کا تعلق ہے تو اسے مختلف راستوں سے روایت کیا گیا ہے: بزار نے اپنی مسند میں، اسحاق بن راہویہ نے بھی اپنی مسند میں اور ابو نعیم اصبہانی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ زیلعی، جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف، تخریج الاحادیث الکشاف، تحقیق عبد اللہ بن عبد الرحمٰن السعد، دار ابن خزیمہ، ریاض، 1414ھ، ج1، ص 164، رقم الحدیث: 169

26 آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی (تفسیر آلوسی)، تحقیق عبد الباری عطیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، تحت سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 273، ج2، ص46

27 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، تحقیق محمد حسین شمس الدین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ، تحت سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 273، ج1، ص543

28 مسلم، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، تحقیق محمد فواد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، سطن، ج2، ص719، رقم الحدیث: 1039

29 نعیمی، احمد یار خان، تفسیر نعیمی، مکتبہ اسلامیہ گجرات، پاکستان، 2004ء، ج3، ص102

30 ایضاً، ج3، ص161

31 ملیح آبادی، سید امیر علی، تفسیر مواہب الرحمٰن، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، سطن، ج2، ص59

32 ایضاً، ج2، ص60

33 پانی پتی، محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، مترجم: مولانا سید الدائم جلالی، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، 2006ء، ج2، ص78

34 اصلاحی، امین احسن، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 1996ء، ج1، ص624

35 سورۃ البقرۃ 2:168

36 سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، 1999ء، ج1، ص259

37 الازہری، پیر محمد کرم، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2005ء، ج1، ص114

38 سورۃ البقرۃ188:2

39 بخاری، صحیح بخاری، ج2، ص112، رقم الحدیث:1429

40 مسلم، صحیح مسلم، ج2، ص720، رقم الحدیث:1041

41 ایضاً، رقم الحدیث:1040

42 نسائی، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، سنن نسائی، تحقیق عبدالفتاح ابو غدۃ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، 1406ھ/1986ء، ج5، ص97، رقم الحدیث:2592

حکم: البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

43 ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق، سنن ابی داؤد، تحقیق محمد محیی الدین عبدالحمید، مکتبۃ العصریہ، بیروت، سطن، ج2، ص121، رقم الحدیث:1643

حکم: البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

44 نسائی، سنن نسائی، ج5، ص96، رقم الحدیث:2591

حکم: البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

45 سورۃ بنی اسرائیل70:17

46 سورۃ التین4:95

47 مسلم، صحیح مسلم، ج2، ص721، رقم الحدیث:1043

48 ایضاً، ج2، ص720، رقم الحدیث:1040

49 ایضاً، ج2، ص717، رقم الحدیث:1037

50 اصلاحی، تدبر قرآن، ج8، ص536

51 سورۃ المزمل20:73

52 الازہری، ضیاء القرآن، ج5، ص410

53 بخاری، صحیح بخاری، ج3، ص88، رقم الحدیث:2262

54 ندوی، ابوالحسن علی، نبی رحمت، ادارہ نشریات اسلام، کراچی، سطن، ص257

55 ایضاً

56 ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ج1، ص588، رقم الحدیث:1836
حکم: البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

57 حوالہ سابق

58 بخاری، صحیح بخاری، ج3، ص57، رقم الحدیث:2072

59 حوالہ سابق

60 محمد شفیع عثمانی، تفسیر معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، 2007ء، ج6، ص430

61 قرضاوی، یوسف، اسلام اور معاشی تحفظ، ترجمہ عبدالحمید صدیقی، البدر پبلیکشیر، لاہور، سطن، ص44

62 مسلم، صحیح مسلم، ج4، ص2078، رقم الحدیث:589

63 بخاری، صحیح بخاری، ج3، ص57، رقم الحدیث:2072

64 حوالہ سابق

65 فیروزآبادی، مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1426ھ/2005ء، ج4، ص414

66 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انڈیا میں ادارہ علوم الاسلامیہ کے زیر اہتمام قرآن اور سائنس سے متعلق ایک سیمینار ہوا۔ جس میں اردو اور انگریزی میں 37 مقالات پڑھے گئے۔ درج بالا معلومات عبید اللہ فہد کے انگریزی مضمون سے ماخوذ ہیں، جو انگریزی حصہ کے 208-223 صفحات پر محیط ہیں۔

67 اقبال، محمد، جاوید نامہ، اقبال اکیڈمی، لاہور، 1982ء، ص78

68 بخاری، صحیح بخاری، ج2، ص112، رقم الحدیث:1429

69 سعیدی، غلام رسول، شرح صحیح مسلم، فرید بک انسٹال، لاہور، سطن، ج2، ص569

70 غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، دار المعرفہ، بیروت، سطن، کتاب الفقر والزھد، بیان تحریم السؤال، ج4، ص374

71 ابو داؤد، سنن ابی داؤد، ج2، ص120، رقم الحدیث:1641

حکم: البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے۔

72 سورۃ البقرۃ2:197

73 مسلم، صحیح مسلم، ج3، ص1354، رقم الحدیث:1728

74 بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، 1409ھ/1989ء، ج1، ص52، رقم الحدیث:112

حکم: البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

75 موصلی، عبداللہ بن محمود، الاختیار لتعلیل المختار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1356ھ، ج2، ص77